نفاذِ شریعت

کیوں اور کیسے

تحریر
حافظ صلاح الدین یوسف

نفاذِ شریعت

کیوں اور کیسے؟

نفاذِ شریعت
کیوں اور کیسے؟

تحریر
حافظ صلاح الدین یوسف

www.KitaboSunnat.com

DARUSSALAM
دارالسلام
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
الریاض ہیوسٹن لاہور

نفاذ شریعت کیوں اور کیسے؟

اہل علم و فکر اور ارباب دانش و تاریخ کے نزدیک یہ بات مُسلم ہے کہ پاکستان کے قیام میں دیگر عوامل و اسباب کیساتھ سب سے بڑا عامل اور عظیم سبب دو قومی نظریہ تھا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ برصغیر ہند میں دو بڑی قومیں آباد ہیں ایک ہندو اور دوسری مسلم۔ ان دونوں کی تہذیب و ثقافت' انکی تاریخ اور تمدن اور انکا مذہب ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہے۔ ہندوستان سے انگریزی استعمار کے جانے کے بعد یہاں جو حکومت قائم ہو گی' اس میں مسلمانوں کو نمازیں پڑھنے' روزے رکھنے اور دیگر عبادات کی ادائیگی کی تو یقیناً اجازت ہوگی۔ لیکن مسلمانوں کا جو نظریۂ زندگی ہے' جو زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہے' اس میں امور سیاست و جہاں بانی ہے' اقتصاد و معیشت ہے' تہذیب و ثقافت ہے' اخلاق و تجارت ہے' بین الاقوامی قواعد و ضوابط ہیں' صلح و جنگ کے معیار اور پیمانے ہیں' حرب و ضرب کے اصول ہیں۔ غرض زندگی کے ہر معاملے میں اسلام اپنے مخصوص عقائد و نظریات کی روشنی میں انکی صورت گری کرتا اور مخصوص ہدایات دیتا ہے۔ مسلمان ہندوستان کی قومی حکومت میں اپنے اس نظریۂ حیات کو بروئے کار نہیں لاسکیں گے' وہ سیاست و جہاں بانی کے

اصولوں کو اپنا سکیں گے نہ اقتصاد و معیشت کے ضابطوں کو۔ وہ اپنی تہذیب و ثقافت کو نافذ کر سکیں گے نہ اپنی تجارت اور کاروبار کے اصولوں کو۔ وہ بین الاقوامی ضوابط میں اپنی اسلامی روح کی کارفرمائی دیکھ سکیں گے نہ داخلی معاملات میں اسکی کوئی جھلک انکو نظر آئے گی۔ نتیجتاً ان کا مذہب اور انکا دین چند رسوم و عبادات تک محدود ہو کر رہ جائے گا' جب کہ اللہ نے اس دین اسلام کو پوری انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کیلئے نازل کیا ہے بلکہ اسکی نجات اور ابدی سعادت کو صرف اور صرف اسی کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے:

﴿ إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلْإِسْلَٰمُ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۹)

"دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔"

اور فرمایا:

"جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرتا ہے وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا' اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو گا۔"

اور نبی کریم ﷺ کا بھی فرمان گرامی ہے:

﴿ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ ٱلْإِسْلَٰمِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى ٱلْءَاخِرَةِ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٨٥﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ۸۵)

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالة نبینا محمد ﷺ)

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اس امت میں

جو شخص بھی میری بابت سن لے' وہ یہودی ہو یا عیسائی' پھر وہ مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنم میں جائے گا۔"

اس اعتبار سے امت مسلمہ کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کا پیغام ہر جگہ پہنچائیں اور کراہتی سسکتی انسانیت کو امن و سکون اور نجات سے ہمکنار کریں' جیسے پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے اولین پیروکاروں نے دنیا سے ظلم و ستم کا خاتمہ کر کے عدل و انصاف کا نظام قائم کیا' کفرو شرک کی تاریکیوں کو مٹا کر توحید و سنت کی شمعیں روشن کیں اور اخلاقی زوال کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال کر انسانیت کو سیرت و کردار کی بلندیوں سے آشنا کیا۔ آج انسانیت پھر ظلم و ستم کا شکار ہے' وہ دوبارہ کفرو شرک کی تاریکیوں میں گھری ہوئی اور اخلاقی پستی میں پھنسی بلکہ دھنسی ہوئی ہے۔

پاکستان کے قیام کا سب سے بڑا مقصد یہی تھا کہ ہندوستان کے مسلمان ایک طرف تو ہندی تہذیب اور ہندی صنم پرستی سے بچ کر اپنی اسلامی تہذیب کو اپنائیں گے اور ایک اللہ کی پرستش کریں گے' وہاں دوسری طرف پاکستان میں مکمل طور پر شریعت کو نافذ کر کے اور ہر شعبۂ زندگی میں اسلامی تعلیمات کی ترویج کر کے پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ اور اس کے حسن و جمال کی جلوہ گاہ بنائیں گے' تاکہ دنیا کے سامنے صحیح فکر و عمل اور امن و سکون سے آشنا زندگی کا ایک بہترین نمونہ آسکے' جسے دنیائے انسانیت اپنانے اور اختیار کرنے کے لئے لپکے اور اس کی طرف پلٹے۔

تحریک پاکستان کے دنوں میں اس تحریک کے لیڈروں نے بھی قوم سے یہی وعدہ کیا تھا اور بار بار اسی کا اعادہ کیا تھا' بانئ پاکستان نے بھی یہی کہا تھا' جسے وہ

قیام پاکستان کے بعد بھی دہراتے رہے۔ اللہ اور اس کی مخلوق سے کئے ہوئے اس عہد کا تقاضا ہے کہ پاکستان میں اسلام کی علم برداری قائم ہو اور اسلامی شریعت کا سکہ یہاں چلے۔ جس طرح پاکستان کا قیام اس وعدے کا مرہون منت ہے' اس کا استحکام و بقاء بھی اس عہد کی تکمیل اور اس وعدے کے ایفاء میں مضمر ہے۔

نصف صدی ہم نے اس وعدے سے انحراف کرتے ہوئے گزار دی۔ ہم نے دیکھ لیا کہ اس نَقضِ عہد سے ہمیں نہ صرف یہ کہ کچھ حاصل نہیں ہوا' بلکہ اسلام کی جو کچھ قدریں ہمارے پاس تھیں' وہ بھی ہم گنوا بیٹھے ہیں۔ آج ہمارے ملک میں بدامنی' قتل و غارت گری عام ہے' لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے' دہشت گردی اور کرپشن کا راج ہے' مصیبتوں کا طوفان اور مفادات کا جھگڑ ہے' الحاد و بے دینی کی آندھی ہے اور بے حیائی کا سیلاب ہے جو ہمارے ڈرائنگ روموں اور خواب گاہوں تک کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔ ہم اپنی بہترین باحیا تہذیب سے بیزار اور غیروں کی حیاباختہ تہذیب کے والہ و شیدا ہیں۔ اقتصاد و معیشت کے میدان میں بھی ہم غیروں کے دست نگر' محتاج بلکہ دریوزہ گر ہیں اور کشکول گدائی لئے دربدر پھر رہے ہے اور ہانک پکار کر رہے ہیں۔

مغرب کے بازی گروں نے ہمارے سیاست بازوں کے ذہنوں میں ایسا افسوں پھونکا ہے کہ انہیں وہی مغربی جمہوریت اچھی لگتی ہے جس نے ہمارے ملک کو دونیم کیا' جو فساد کی جڑ ہے' جس میں بندوں کو گنا جاتا ہے' تولا نہیں جاتا اور جس کی قبا میں دیو استبداد پائے کوب ہے۔ اس گننے والے نظام میں پچاس سال سے وہی چند خاندان بطور حکمران مسلط چلے آرہے ہیں جن کے پاس سوچنے والا

دماغ نہیں' عوام کی مشکلات پر تڑپنے والا دل نہیں' عوام کے دکھ درد دیکھنے والی آنکھیں نہیں اور ان کی آہ وبکا اور فریادیں سننے والے کان نہیں۔ قرآن کی زبان میں کہا جاسکتا ہے۔

﴿ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ ءَاذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَآ أُوْلَٰٓئِكَ كَٱلْأَنْعَٰمِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ﴾ (الأعراف۷/ ۱۷۹)

یہ کالانعام خاندان صرف ایک خوبی سے بہرہ ور ہیں کہ جاگیروں کی صورت میں یا صنعتوں کی صورت میں وسائل فراواں کے مالک ہیں' جس کے بل بوتے پر وہ اس پوزیشن کے حامل ہیں کہ گنے جانے والے سروں کو زیادہ سے زیادہ بہم پہنچایا ان پر شب خوں مار کر اپنے طرف داروں میں شمار کروالیں۔ چنانچہ پاکستانی عوام کی تقدیر انہی چند خاندانوں کے ہاتھ میں یرغمال بنی ہوئی ہے' ان کے درباریوں اور نورتنوں میں بھی انہی خاندانوں یا اسی قبیل کے لوگ ہوتے ہیں' یہ سب اس گندے نظام کے محافظ ہیں جس نے ان کے تسلط اور غلبے کو برقرار رکھا ہوا ہے' یہ اس انتخابی نظام میں ایسی کوئی تبدیلی نہیں لانے دیتے جس سے اقتدار کے زرنگار ایوانوں میں ایسے لوگ پہنچ سکیں جو عقل و دانش اور دل دردمند سے بہرہ ور ہیں اور عوام کے مسائل و مصائب سے باخبر اور انہیں حل کرنے کا شعور و ادراک رکھتے ہیں۔

اور ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ مغربی استعمار کی لعنت اس جمہوریت کی زلف گرہ گیر کے اسیر مذکورہ اہل اغراض و مفادات ہی نہیں' اصحاب جبہ و دستار اور وارثانِ منبر و محراب بھی اس کی عشوہ طرازیوں سے مسحور ہیں۔ گویا ؎

ہم ہوئے' تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلف کے سب اسیر ہوئے

اور یوں کیا اہل سیاست اور کیا اہل مذہب' سب کوچہ' اقتدار تک رسائی کے لئے اسی کو سب سے آسان راستہ سمجھتے اور لیلائے اقتدار سے ہم آغوش ہونے کے لئے اسی راستے کو اختیار کرتے ہیں۔ لیکن سب منہ کی کھاتے ہیں اور اقتدار کی دیوی صرف انہی پر مہربان ہوتی ہے جو اس کی چرنوں میں دولت کا ڈھیر لگاتے اور اخلاقی اصولوں کی بھینٹ چڑھاتے ہیں اور یہ وہی مذکورہ خاندان ہیں جو قارون کے خزانوں کے وارث بھی ہیں اور ہر قسم کے اصولوں اور ضابطوں سے بے نیاز بھی۔ اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمران' عوام کے اعمال کا مظہر ہوتے ہیں۔

«كَمَا تَكُوْنُوْنَ كَذٰلِكَ يُؤَمَّرُ عَلَيْكُمْ»(شعب الايمان، للبيهقي، بحواله مشكوة، كتاب الامارة والقضاء، الفصل الثالث)

"تم جیسے ہو گے' ویسے ہی تم پر حکمران بنائے جائیں گے۔"

یعنی تم جیسے عمل کرو گے' ویسے ہی تمہیں حکمراں نصیب ہوں گے۔ عوام صحیح ہوں گے تو حکمران بھی صحیح اور عوام غلط ہوں گے تو حکمران بھی غلط۔ جیسے اردو زبان میں کہا جاتا ہے: جیسی روح' ویسے فرشتے۔ بنابریں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہ حیثیت مجموعی پوری قوم نے اسلام سے انحراف کی جو راہ اپنا رکھی اور اپنی سیاسی' اقتصادی' تجارتی اور معاشرتی زندگی حتیٰ کہ اخلاقی معاملات میں بھی

اسے تقریباً خارج کر رکھا ہے' اسی کی سزا اللہ تعالیٰ ظالم اور بے درد حکمرانوں کی صورت میں ہمیں دے رہا ہے۔ گویا ع شامت اعمال ماصورت نادر گرفت کی صورت سے ہم دوچار ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ

اس لئے اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم جن گھمبیر مسائل میں گھرے ہوئے ہیں' ان سے ہمیں نجات ملے' ہماری مشکلات ختم ہوں اور اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے اور عہد شکنی اور اسلام سے انحراف کی سزا سے ہم بچ جائیں تو اس کا صرف ایک راستہ ہے' اور وہ ہے اسلام کے نفاذ کا' اس کو اپنانے کا اور اپنی زندگیوں کو اس کے سانچے میں ڈھالنے کا۔ محض چند عبادات کو رسوم و عادات کے طور پر ادا کر لینا' اسلام نہیں ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کی ہدایات و تعلیمات اور اس کے اصول و ضوابط کو اختیار کرنا اسلام ہے۔ جیسے قرآن نے اہل ایمان سے خطاب کر کے کہا ہے:

﴿ ٱدۡخُلُواْ فِي ٱلسِّلۡمِ كَآفَّةً ﴾ (البقرة٢/ ٢٠٨)

"اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔"

اسلام کے معنی ہی سرفگندگی اور خود سپردگی کے ہیں' اللہ کے حکم کے آگے سر جھکا دینا اور اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دینا اسلام ہے۔ اس میں من مانی کارروائیوں کی اجازت نہیں ہے' اس لئے کہ اللہ نے ایسے لوگوں کے لئے اپنے پیغمبر سے خطاب کر کے بڑی سخت وعید بیان فرمائی ہے:

﴿ أَرَءَيۡتَ مَنِ ٱتَّخَذَ إِلَٰهَهُۥ هَوَىٰهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيۡهِ وَكِيلًا ﴿٤٣﴾ ﴾ (الفرقان٢٥/ ٤٣)

"بھلا جس شخص نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا' کیا (اے پیغمبر!) تو

اس کا وکیل ہے؟"
یعنی کیا تو اسے اللہ کی گرفت سے چھڑا سکتا ہے؟ اسی طرح اسلام میں غیروں کی نقالی بھی نہیں ہے' اس لئے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ»(أحمد، أبوداؤد، بحواله مشكوة، كتاب اللباس، الفصل الثاني)

"جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی' تو وہ انہی میں سے شمار ہو گا۔"

شریعت کے نفاذ کا طریقہ:

اب تک جو گفتگو ہوئی' اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ "پاکستان میں شریعت کا نفاذ کیوں ضروری ہے؟" سے ہے' اب کچھ گزارشات اس کے دوسرے جزء -- شریعت کا نفاذ کیسے ہو--؟ کے سلسلے میں عرض کی جاتی ہیں۔

ہمارا حکمران طبقہ شروع سے ہی' جیسا کہ بیان ہوا' اسلام کے معاملے میں مخلص نہیں رہا ہے اور اب بھی نہیں ہے۔ اس لئے لیت و لعل اور ٹال مٹول اس کا شیوہ رہا ہے اور ہے۔ اس تاخیری حربے کے لئے وہ مختلف بہانے اور عذر پیش کرتا ہے' میں یہاں آج کی صحبت میں کانفرنس کے موضوع کی روشنی میں اس کی طرف سے پیش کئے جانے والے ایک بہانے اور ایک عذر پر گفتگو کروں گا اور اس کے لئے ایک حل پیش کروں گا' جس سے دوسرے سوال کا جواب مل جائے گا کہ شریعت کا نفاذ کیسے عمل میں آسکتا ہے؟

پاکستان میں جب بھی نفاذ اسلام کے مطالبے میں شدت آتی ہے تو حکمران طبقہ یہ عذر یا بہانہ پیش کر کے جان چھڑا لیتا ہے کہ ہم کون سا اسلام نافذ کریں؟

اس لئے کہ علماء کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ فقہ حنفی نافذ کرو۔ اس طبقے میں بھی پھر دو مکتب فکر ہیں جن کے عقائد و اعمال ایک دوسرے سے مختلف ہیں' اس لئے یقیناً فقہ حنفی کی تعبیر میں بھی' اگر اس کی واقعی کبھی ضرورت پیش آئی' دو نقطۂ نظر یا دو مسلک سامنے آئیں گے۔ فقہ حنفی کے نفاذ کے مطالبے کے جواب میں ایک اور مذہبی طبقہ فقہ جعفریہ کے نفاذ کا مطالبہ کرتا ہے۔ متجددین کا طبقہ ماڈرن اسلام کا نفاذ چاہتا ہے جس میں مغربی تہذیب کی حیا باختگی کا بھی مکمل جواز ہو اور اس کے ظالمانہ سودی اور سیاسی نظام کا تحفظ بھی اور ان سب کے مقابلے میں ایک اور مذہبی طبقہ ہے جو صرف قرآن و حدیث کے نفاذ کا مطالبہ کرتا ہے۔ یوں اسلام کے نفاذ کا حسین خواب ع شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیر ہا۔۔۔ کا مصداق بن کر رہ گیا ہے' اپنے اپنے اسلام کی ان تعبیرات اور صداؤں نے حکمرانوں کو حصار عافیت مہیا کر دیا ہے اور وہ اسلام کے نفاذ سے بے پروا ہو کر یہاں مغربیت کو پورے زور شور اور نہایت شدومد سے مسلط کر رہے ہیں جس سے قوم بڑی تیزی سے اسلام سے بیگانہ تر اور اسلام کے نفاذ کی منزل سے دور سے دور تر ہوتی جارہی ہے۔

بنابریں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ علمائے اسلام' چاہے ان کا تعلق کسی بھی مکتب فکر سے ہو' فقہی جمود اور حزبی تعصب سے بالا ہو کر اپنے اندر فقہی توسع پیدا کریں اور نصوص شریعت کو سب سے زیادہ اہمیت دیں اور اس میں بھی اس تعبیر کو اپنانے پر عملی آمادگی کا اظہار کریں جو سلف سے منقول ہو۔ ہمیں تسلیم کرنا چاہیئے کہ مذہبی طبقے کا فقہی جمود اور حزبی تعصب بھی اس ملک میں بہرحال اسلام کی راہ میں رکاوٹ ہے یا رکاوٹ باور کرانے میں حکمران طبقہ

کامیاب ہے اور اس تاثر یا رکاوٹ کو اس وقت تک دور نہیں کیا جاسکتا جب تک علماء --- صرف زبانی طور پر نہیں--- بلکہ دل کی گہرائیوں سے عملی طور پر ﴿ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ﴾ (النسا:۵۹) کے تقاضوں کو بروئے کار لا کر اپنے فقہی اختلافات کے خاتمے کے لئے قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کو فیصل اور حرف آخر تسلیم کریں اور کسی ایک فقہ کے نفاذ کے مطالبے کی بجائے اسلام کے نفاذ کا مطالبہ کریں اور اسی کو اسلام سمجھیں اور قرار دیں جس کی تائید قرآن کریم یا احادیث صحیحہ سے ہو۔ چاہے اس کا تعلق کسی بھی فقہ سے ہو یا کسی بھی فقہ سے نہ ہو۔ فقہائے کرام کی فقہی کاوشیں ہمارا بیش قیمت علمی سرمایہ ہیں' ان سے استفادہ ضرور کیا جائے اور بلاامتیاز تمام فقہی سرمائے کو کھنگالا اور چھانا جائے اور اس میں سے جو بات اَوْفَق بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ اور اَرْفَق بِالنَّاس ہو' اسے اختیار کر لیا جائے اور اس معاملے میں کسی بھی فقہ سے امتیازی سلوک کیا جائے نہ ترجیحی' بلکہ ترجیح صرف اور صرف نصوص شریعت اور عوام کی سہولت کو دی جائے۔ یہی اسلام کا ہم سے مطالبہ بھی ہے اور وقت کا تقاضا بھی۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی عظمت و فقاہت مسلم ہے' اس میں دو رائیں نہیں۔ لیکن ذرا ان کا طرز عمل دیکھئے۔ امام صاحب سے پوچھا گیا کہ اگر آپ کی کوئی ایسی بات ہو جو کتاب اللہ کے مخالف ہو' تو کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا: کتاب اللہ کے مقابلے میں میری بات چھوڑ دو۔ ان سے کہا گیا' جب آپ کی بات حدیث رسول کے خلاف ہو' تو؟ آپ نے فرمایا' حدیث رسول کے مقابلے میں میری بات ترک کر دو۔ پھر آپ سے کہا گیا' اگر آپ کی بات قول صحابی کے

خلاف ہو' تو؟ آپ نے فرمایا' اس کے مقابلے میں بھی میری رائے کو نظرانداز کر دو۔ امام صاحب کا یہ قول امام شوکانی نے القول المفید میں نقل کیا ہے' ان کی اصل عبارت درج ذیل ہے:

قَالَ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ فِيْ رَوْضَةِ الْعُلَمَآءِ إِنَّهُ قِيْلَ لأَبِيْ حَنِيْفَةَ إِذَا قُلْتَ قَوْلاً وَّكِتَابُ اللهِ يُخَالِفُهُ؟ قَالَ اُتْرُكُوْا قَوْلِيْ بِكِتَابِ اللهِ، فَقِيْلَ لَهُ إِذَا كَانَ خَبَرُ الرَّسُوْلِ يُخَالِفُهُ؟ قَالَ اُتْرُكُوْا قَوْلِيْ بِخَبَرِ الرَّسُوْلِ ﷺ فَقِيْلَ لَهُ إِذَا كَانَ الصَّحَابِيُّ يُخَالِفُهُ؟ قَالَ اُتْرُكُوْا قَوْلِيْ بِقَوْلِ الصَّحَابِيِّ(القول المفيد في امر الاجتهاد والتقليد، ص:۲۳)

حضرت الامام نے اپنے شاگرد رشید امام ابویوسف سے کہا:

وَيْحَكَ يَايَعْقُوْبُ لاَ تَكْتُبْ عَنِّيْ كُلَّ مَا أَقُوْلُ، فَإِنَّنَا بَشَرٌ نَقُوْلُ الْقَوْلَ الْيَوْمَ وَنَرْجِعُ عَنْهُ غَدًا، وَنَقُوْلُ الْقَوْلَ غَدًا وَنَرْجِعُ عَنْهُ بَعْدَ غَدٍ(ابن عبدالبر، الانتقاء في فضائل الثلاثة الائمة الفقهاء، ص:۱٤٥)

"اے یعقوب! میری زبان سے نکلی ہوئی ہر بات مت لکھا کرو' اس لئے کہ ہم بھی ایک انسان ہیں' آج ہم ایک بات کہتے ہیں اور کل اس سے رجوع کر لیتے ہیں' کل کی کہی ہوئی بات سے پرسوں رجوع کر لیتے ہیں۔"

آپ نے اہل علم و فتویٰ کو تاکید فرمائی:

حَرَامٌ عَلَى مَنْ لَّمْ يَعْرِفْ دَلِيْلِيْ أَنْ يُّفْتِيَ بِقَوْلِيْ

(عبدالوهاب شعراني، الميزان الكبرى، ص:۳۸)

"جس شخص کو میری کہی ہوئی بات کی دلیل کا علم نہیں' اس پر حرام ہے کہ وہ میرے قول پر فتویٰ جاری کرے۔"

اور آپ نے اپنا مذہب ان الفاظ میں بیان فرمایا:

إِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِيْ(محمد امين الشهير بابن عابدين رد المحتار١/ ٦٨، دارالفكر، ١٩٦٦ء)

"جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے' تو وہی میرا مذہب ہے۔"

یعنی حدیث صحیح کے مقابلے میں کسی کی رائے کو اہمیت حاصل نہیں' میری رائے بھی حدیث کے خلاف ہو' تو وہ قابل التفات نہیں' بلکہ ترک کے لائق ہے اور حدیث صحیح ہی اصل چیز ہے اور یہی میرا مذہب ہے۔

آپ حدیث کو کتنی اہمیت دیتے تھے' اس کا اندازہ امام ابویوسف کے اس واقعے سے لگا سکتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا مسلک یہ بیان کیا گیا ہے کہ وقف کا فروخت کرنا جائز ہے' حالانکہ حدیث میں واضح طور پر موجود ہے کہ:

لاَ يُبَاعُ اَصْلُهَا وَلاَ يُوْرَثُ وَلاَ يُوْهَبُ(متفق عليه)

"وقف نہ فروخت کیا جائے' نہ ورثے میں تقسیم کیا جائے اور نہ ہبہ"

امام ابویوسف فرماتے ہیں:

لَوْ بَلَغَ هَذَا الْحَدِيْثُ لَقَالَ بِهِ وَرَجَعَ عَنْ بَيْعِ الْوَقْفِ

(محمد بن اسماعيل الصنعاني، سبل السلام شرح بلوغ المرام، ٣/ ٨٦)

"اگر امام ابوحنیفہ کو یہ حدیث مل جاتی تو اس کے مطابق ہی موقف اختیار کرتے اور اپنے بیع وقف کے مسلک سے رجوع کر لیتے۔"

قاضی صدرالدین ابن ابی العز حنفی لکھتے ہیں:

وَقَدْقَالَ أَبُوْيُوْسُفَ لَمَّا رَجَعَ عَنْ قَوْلِهِ فِيْ مِقْدَارِ الصَّاعِ وَعَنْ صَدَقَةِ الْخَضْرَوَاتِ وَغَيْرِهَا، لَوْ رَأَى صَاحِبِيْ مَا رَأَيْتُ لَرَجَعَ كَمَا رَجَعْتُ(صدر الدين علي بن علي بن محمد ابن ابي العز الحنفي، الاتباع، ص:۲۸، المكتبة السلفية، لاهور)

"جب امام ابو یوسف نے صاع کی مقدار اور سبزیوں میں زکوٰۃ وغیرہ مسائل میں رجوع کر لیا تو فرمایا' اگر میرے استاذ کے علم میں بھی وہ چیز آجاتی جو میرے علم میں آئی تو وہ بھی اسی طرح رجوع کر لیتے جیسے میں نے رجوع کر لیا۔"

گویا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے تلامذہ کی تربیت ایسے انداز میں فرمائی کہ قرآن و حدیث کے نصوص کا احترام اور ان کا تسلیم کرنا ضروری ہے اور یوں فقہی جمود سے بچنے کا ان کو درس دیا۔ یہی وجہ ہے کہ امام صاحب کے تلامذہ خصوصی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ نے اپنے استاذ سے بے شمار مسائل میں اختلاف کیا' یہاں تک کہ ان کی تعداد دو تہائی بیان کی گئی ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں:

اِسْتَنْكَفَ أَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ، مِنِ اتِّبَاعِهِ فِيْ ثُلُثَيْ مَذْهَبِهِ (امام غزالي، المنخول من تعليقات الاصول، دارالفكر، به تحقيق محمد حسن هيتو)

"ان دونوں شاگردوں نے اپنے امام کے مذہب کے دو تہائی مسائل کا انکار کیا ہے۔"

اور یہ اختلاف فروعی مسائل تک محدود نہیں' بلکہ یہ اختلاف مولانا

عبدالحیٰ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اصول میں بھی کچھ کم نہیں چنانچہ وہ مقدمہ عمدۃ الرعایۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

فَإِنَّ مُخَالَفَتَهُمَا لأَبِيْ حَنِيْفَةَ فِي الأُصُوْلِ غَيْرُ قَلِيْلَةٍ حَتَّى قَالَ الإِمَامُ الْغَزَالِيُّ إِنَّهُمَا خَالَفَا أَبَا حَنِيْفَةَ فِيْ ثُلُثَيْ مَذْهَبِهِ(مقدمة عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية، ص:٨، مطبع مجتبائي دهلي)

"دونوں شاگردوں کی اپنے استاذ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اصول میں مخالفت بھی کچھ کم نہیں۔ حتی کہ امام غزالی نے کہا کہ انہوں نے اپنے استاذ کے مذہب سے دو تہائی مسائل میں اختلاف کیا۔"

مذکورہ تفصیل سے واضح ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذۂ خاص' ہرگز اس فقہی جمود کے قائل نہیں ہیں جو ان کے بعد ان کے بعض اتباع میں پیدا ہوا' اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ امام صاحب اور ان کے رفقائے گرامی قدر کے فقہی توسع کو ہی اختیار کیا جائے جو وقت کی ضرورت بھی ہے۔

شاہ ولی اللہ کا موقف اور نقطہ نظر:

خوش قسمتی سے برصغیر پاک و ہند میں بارہویں صدی ہجری میں ایک اور جامع الصفات شخصیت پیدا ہوئی' جسے اہل سنت کے تمام حلقوں میں احترام و قبولیت کا مقام حاصل ہے' میری مراد اس سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) ہیں۔ شاہ صاحب کے دور میں بھی فقہی جمود عام تھا' شاہ صاحب نے اپنی مخلصانہ مساعی سے اسے نہ صرف کم کیا' بلکہ اس کے لئے ایسے

فکری و نظریاتی خطوط کی بھی نشاندہی فرمائی جنہیں اختیار کر کے فقہی اختلافات کی شدت و وسعت کو اور حزبی تعصب کو کم کیا جاسکتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر اس کی بھی ضروری تفصیل پیش کر دی جائے۔ کیونکہ ایک تو ان کی شخصی عظمت و احترام پر سب کا اتفاق ہے۔ دوسرے' ایسے خطوط اور طریق کار کی اس وقت شدید ضرورت ہے جو امت کے اندر زیادہ سے زیادہ فقہی وحدت' نظریاتی قربت اور مسلکی ہم آہنگی پیدا کر سکے اور شاہ صاحب کے پیش کردہ حل اور فکر کو اگر اختیار کر لیا جائے تو یقیناً نفاذ اسلام کی مبینہ رکاوٹ دور ہو سکتی ہے جس کا غلط یا صحیح طور پر سہارا لیا جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ نے فقہی اختلافات کو ختم کرنے کے لئے ایک تو یہ تجویز پیش کی ہے کہ فقہی اختلافات بالخصوص حنفی شافعی اختلافات قرآن وحدیث کے ظواہر پر پیش کئے جائیں' جو ان کے مطابق ہوں یا ان کے اقرب ہوں' انہیں تسلیم کر لیا جائے اور جو مسائل فقہی قرآن و حدیث کے خلاف ہوں' انہیں ترک کر دیا جائے۔

اس کے لئے ایک دوسری تجویز انہوں نے یہ پیش کی ہے کہ فقہائے اہل حدیث اور فقہائے اہل الرائے دونوں اعتدال کا راستہ اختیار کریں۔ اول الذکر گروہ قرآن و حدیث کے ظواہر کو تقدس کا اتنا درجہ نہ دے کہ تفقہ بالکل نظرانداز ہو جائے' جیسے اہل ظاہر (امام ابن حزم وغیرہ) نے کیا اور ثانی الذکر گروہ اقوال ائمہ کو اتنی اہمیت نہ دے کہ قرآن و حدیث کے نصوص سے بھی وہ فائق تر ہو جائیں' بلکہ اس کے بین بین راستہ اختیار کیا جائے' فقہائے کرام کی فقہی کاوشوں سے بھی پورا استفادہ کیا جائے لیکن نصوص صریحہ کا بھی پورا احترام و

تقدس ملحوظ خاطر رہے۔ اسے وہ محققین فقہائے اہل حدیث کا طریقہ بتلاتے ہیں اور اسی کی تلقین انہوں نے بہ شدومد اور بہ تکرار و اصرار کی ہے۔ اس سلسلے کی چند عبارتیں پیش خدمت ہیں۔

اپنی مشہور تالیف اَلتَّفْہِیْمَاتُ الالٰہِیَّۃ میں عقائد کے بارے میں کتاب و سنت' قدمائے اہل سنت اور سلف کے منہاج کی پابندی کی وصیت کرتے ہوئے فروعات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ودر فروع پیروی علمائے محدثین کبار کہ جامع باشند میان فقہ و حدیث کردن و دائما تفریعات فقھیہ رابر کتاب و سنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد درحیز قبول آوردن والاّ کالائے بدبریش خاوند دادن۔ امت راہیچ وقت ازعرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغناء حاصل نیست و سخن متقشفۂ فقہاء کہ تقلید عالمے را دست آویز ساختہ تتبع سنت راترک کردہ اند تشنیدن و بدایشاں التفات نہ کردن و قربت خدا جستن بدوریٔ ایناں۔"

"فروع میں علمائے محدثین کی پیروی کرنا جو حدیث و فقہ کے جامع ہیں۔ مسائل فقھیہ کو کتاب و سنت پر پیش کرنا' جو ان کے موافق ہوں انہیں قبول کرنا اور مخالف کو پھینک دینا۔ امت کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ وہ ہر وقت اجتہادی مسائل کو کتاب و سنت پر پیش کرتی رہے اور وہ خشک فقہاء جنہوں نے تقلید کو ضروری قرار دے رکھا ہے اور سنت کی تلاش و جستجو کو ترک کیا ہوا ہے۔ ان کی باتیں نہ سننا' نہ ان کی طرف نظر التفات کرنا۔ ان کے بغیر ہی حق تعالیٰ کے قرب کی جستجو کرنا۔"

التفہیمات الالٰہیہ جلد اول میں فرماتے ہیں:

إِنِّيْ أَقُوْلُ لِهٰؤُلَآءِ الْمُسَمِّيْنَ اَنْفُسَهُمْ بِالْفُقَهَآءِ الْجَامِدِيْنَ عَلَي التَّقْلِيْدِ يَبْلُغُهُمُ الْحَدِيْثُ مِنْ اَحَادِيْثِ النَّبِيِّ ﷺ بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ وَقَدْ ذَهَبَ إِلَيْهِ جَمْعٌ عَظِيْمٌ مِّنَ الْفُقَهَآءِ الْمُتَقَدِّمِيْنَ وَلَا يَمْنَعُهُمْ إِلاَّ التَّقْلِيْدُ لِمَنْ لَّمْ يَذْهَبْ إِلَيْهِ وَلِهٰؤُلَآءِ الظَّاهِرِيَّةِ الْمُنْكِرِيْنَ لِلْفُقَهَآءِ الَّذِيْنَ هُمْ طِرَازُ حَمَلَةِ الْعِلْمِ وَاَئِمَّةِ أَهْلِ الدِّيْنِ إِنَّهُمْ جَمِيْعًا عَلَى سَفَاهَةِ وَّسَخَافَةِ رَأْيٍ وَضَلاَلَةٍ وَإِنَّ الْحَقَّ اَمْرٌ بَيْنَ بَيْنَ

”میں ان سے کہتا ہوں جو خود کو فقہاء سمجھتے اور ان میں انتہائی تقلیدی جمود آچکا ہے، کہ جب ان کو امت میں معمول بہا صحیح حدیث پہنچتی ہے تو اس پر عمل سے انہیں صرف تقلید جامد روک دیتی ہے اور بالکل ظاہر پرست حضرات سے بھی کہتا ہوں جو ایسے فقہاء کا انکار کرتے ہیں جو حاملین علم اور ائمہ دین ہیں کہ یہ دونوں فریق غلط راہ پر جا رہے ہیں۔ یہ کم فہمی کی راہ ہے اور معاملہ (حق) ان دونوں کے بین بین ہے۔“

کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں:

وَاَشْهَدُ لِلّٰهِ بِاللّٰهِ اَنَّهُ كُفْرٌ بِاللّٰهِ أَنْ يُّعْتَقَدَ فِيْ رَجُلٍ مِّنَ الأُمَّةِ مِمَّنْ يُّخْطِئُ وَيُصِيْبُ أَنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلَيَّ اِتِّبَاعَهُ حَتْمًا وَأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَيَّ هُوَ الَّذِيْ يُوْجِبُهُ هٰذَا الرَّجُلُ عَلَيَّ وَلٰكِنَّ الشَّرِيْعَةَ الْحَقَّةَ قَدْ ثَبَتَ قَبْلَ هٰذَا الرَّجُلِ بِزَمَانٍ قَدْ وَعَاهَا الْعُلَمَآءُ وَأَدَّاهَا الرُّوَاةُ وَحَكَمَ بِهَا الْفُقَهَآءُ وَاِنَّمَا اتَّفَقَ النَّاسُ عَلَى تَقْلِيْدِ الْعُلَمَآءِ وَعَلَى

مَعْنَي اَنَّهُمْ رُوَاةُ الشَّرِيْعَةِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَاَنَّهُمْ عَلِمُوْا مَا لَمْ نَعْلَمْ، وَاَنَّهُمُ اشْتَغَلُوْا بِالْعِلْمِ مَا لَمْ نَشْتَغِلْ فَلِذَلِكَ قَلَّدُوا الْعُلَمَآءَ فَلَوْ أَنَّ حَدِيْثًا صَحَّ وَشَهِدَ بِصِحَّتِهِ الْمُحَدِّثُوْنَ وَعَمِلَ بِهِ طَوَائِفُ فَظَهَرَ فِيْهِ الأَمْرُ ثُمَّ لَمْ يَعْمَلْ بِهِ هُوَ لأَنَّ مَتْبُوْعَهُ لَمْ يَقُلْ بِهِ فَهٰذَا هُوَ الضَّلاَلُ الْبَعِيْدُ

”میں اللہ کے لئے اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ امت میں سے کسی آدمی کے متعلق' جس سے خطا و صواب دونوں باتوں کا احتمال ہے' یہ اعتقاد رکھنا کہ اللہ نے اس کی اطاعت مجھ پر فرض کر دی ہے اور میرے لئے صرف وہی چیز واجب ہے جسے وہ واجب قرار دے' کفر ہے۔ کیونکہ شریعت اس شخص سے مدتوں پہلے موجود ہے۔ جسے علماء نے یاد کیا' راویوں نے اسے بیان کیا اور فقہاء نے اس کے مطابق فیصلے کئے۔ لوگوں نے علماء کی تقلید پر صرف اس لئے اتفاق کیا کہ وہ آں حضرت ﷺ سے شریعت کے راوی ہیں انہیں جو علم تھا ہمیں نہیں اور علم ان کا مشغلہ تھا جب کہ ہمارا ویسا مشغلہ نہیں۔ لیکن اگر حدیث صحیح ہو' محدثین نے اس کی صحت کی گواہی دی ہو' لوگوں نے اس پر عمل کیا ہو اور معاملہ واضح ہو چکا ہو' پھر اس حدیث پر اس لئے عمل نہ کیا جائے کہ اس کے امام یا متبوع نے اس کے مطابق فتویٰ نہیں دیا تو یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔“

نیز فرماتے ہیں:

وَنَشَأَفِيْ قَلْبِيْ دَاعِيَةٌ مِّنْ جِهَةِ الْمَلإِ الاَعْلَى، تَفْصِيْلُهَا

أَنَّ مَذْهَبَيْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالشَّافِعِيِّ هُمَا مَشْهُوْرَانِ فِي الأُمَّةِ الْمَرْحُوْمَةِ وَهُمَا اَكْثَرُ الْمَذَاهِبِ تَابِعًا وَّتَصْنِيْفًا وَكَانَ جُمْهُوْرُ الْفُقَهَآءِ الْمُحَدِّثِيْنَ وَالْمُفَسِّرِيْنَ وَالْمُتَكَلِّمِيْنَ وَالصُّوْفِيَّةِ مُتَمَذْهِبِيْنَ بِمَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ وَجُمْهُوْرُ الْمُلُوْكِ وَعَامَّةُ الْيُوْنَانِ مُتَمَذْهِبِيْنَ بِمَذْهَبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَأَنَّ الْحَقَّ الْمُوَافِقَ لِعُلُوْمِ الْمَلإِ الاَعْلَى الْيَوْمَ أَنْ يُّجْعَلاَ كَمَذْهَبٍ وَّاحِدٍ يَعْرَضَانِ عَلَى الْكُتُبِ الْمُدَوَّنَةِ فِيْ حَدِيْثِ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْفَرِيْقَيْنِ فَمَا كَانَ مُوَافِقًا بِهَا يُبْقٰى وَمَا لَمْ يُوْجَدْ لَهُ اَصْلٌ يُسْقَطُ، وَالثَّابِتُ مِنْهَا بَعْدَ النَّقْدِ إِنْ تَوَافَقَ بَعْضُهُ بَعْضًا فَذَلِكَ الَّذِيْ يُعَضُّ عَلَيْهِ بِالنَّوَاجِذِ وَإِنْ تَخَالَفَ تُجْعَلُ الْمَسْئَلَةُ عَلَى قَوْلَيْنِ وَيَصِحُّ الْعَمَلُ عَلَيْهِمَا أَوْ يَكُوْنُ مِنْ قِبَلِ اخْتِلاَفِ اَحْرُفِ الْقُرْآنِ أَوْ عَلَى الرُّخْصَةِ وَالْعَزِيْمَةِ أَوْ يَكُوْنَانِ طَرِيْقَيْنِ لِلْخُرُوْجِ مِنَ الْمَضِيْقِ كَتَعَدُّدِ الْكَفَّارَاتِ أَوْ يَكُوْنُ اَخْذًا بِالْمُبَاحَيْنِ الْمُسْتَوِيَيْنِ لاَ يَعْدُوْ الأَمْرُ هَذِهِ الْوُجُوْهَ إِنْ شَآءَ اللهُ تَعَالَى(التفهيمات الالهية، ١/ ٢٧٩ـ٢٨٠، حيدر آباد سندهـ ١٩٦٧ء)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"ملا اعلیٰ کی طرف سے میرے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے مذاہب کو' جو امت میں مشہور ہیں' ان دونوں کو

یکجا کر دیا جائے (جس کا طریقہ یہ ہے کہ) دونوں مذاہب کے فقہاء و علماء کی مرتبہ کتابوں کو حدیث نبوی ﷺ پر پیش کیا جائے' جو مسائل حدیث کے موافق ہوں' قبول کر لئے جائیں اور جن کی اصل حدیث میں نہ ہو' انہیں ساقط کر دیا جائے۔ اس طرح نقد و نظر (جانچ پڑتال) کے بعد جن مسائل میں اتفاق ہو جائے۔ ان پر مضبوطی سے عمل کیا جائے۔ اگر اختلاف ہو تو وہاں دو رائیں تصور کر لی جائیں اور دونوں پر عمل صحیح سمجھا جائے۔"

التفہیمات جلد دوم میں اس کی بایں طور وضاحت فرماتے ہیں:

وَنَحْنُ نَأْخُذُ مِنَ الْفُرُوْعِ مَا اتَّفَقَ عَلَيْهِ الْعُلَمَآءُ لَاسِيَمَا هَاتَانِ الْفِرْقَتَانِ الْعَظِيْمَتَانِ الْحَنَفِيَّةُ وَالشَّافِعِيَّةُ وَخُصُوْصًا فِي الطَّهَارَةِ وَالصَّلٰوةِ فَإِنْ لَّمْ يَتَيَسَّرِ الاِتِّفَاقُ، وَاخْتَلَفُوْا فَنَاخُذُ بِمَا يَشْهَدُ لَهُ ظَاهِرُ الْحَدِيْثِ وَمَعْرُوْفُهُ وَنَحْنُ لاَ نَزْدَرِيْ اَحَدًا مِّنَ الْعُلَمَآءِ فَالْكُلُّ طَالِبُوا الْحَقِّ وَلاَ نَعْتَقِدُ الْعِصْمَةَ فِيْ اَحَدٍ غَيْرِ النَّبِيِّ ﷺ وَالْمِيْزَانُ فِيْ مَعْرِفَةِ الْخَيْرِ وَالشَّرِّ الْكِتَابُ عَلَى تَأْوِيْلِهِ الصَّرِيْحِ وَمَعْرُوْفُ السُّنَّةِ لاَ اجْتِهَادُ الْعُلَمَآءِ وَلاَ أَقْوَالُ الصُّوْفِيَّةِ (التفهيمات الالهية ١/ ٢٤٢-٢٤٣)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "فروعات میں وہ چیزیں لے لی جائیں جن پر علماء متفق ہو جائیں۔ بالخصوص حنفی' شافعی فقہ سے نماز اور طہارت کے متفقہ مسائل لے لئے جائیں اور اگر اتفاق نہ ہو سکے تو پھر ظاہر حدیث اور

معروف حدیث کے مطابق عمل کیا جائے۔ ہم کسی صاحب علم کی تحقیر نہیں کرتے' سب طالب حق تھے تاہم نبی اکرم ﷺ کے علاوہ ہم کسی اور کی عصمت کا اعتقاد نہیں رکھتے اور خیروشر کی معرفت کے لئے میزان ہمارے نزدیک اللہ کی کتاب اور معروف سنت ہی ہے نہ کہ علماء کے اجتہاد اور صوفیہ کے اقوال۔"

"الانصاف" اور "عقدالجید" میں بھی شاہ صاحب نے اس موضوع پر بڑی عمدہ اور مفید بحثیں کی ہیں بلکہ یہ دونوں کتابیں خاص اسی موضوع پر ہیں اور فقہی اختلاف کا ایک معتدل حل پیش کرتی ہیں۔ ان اقتباسات سے دو باتیں بہرحال واضح ہیں۔

① ان کے نزدیک نصوص قرآن و حدیث دیگر تمام اجتہادات و اقوال ائمہ سے زیادہ اہم ہیں۔

② فقہی اختلافات اور تقلیدی جمود پر مطمئن نہیں بلکہ وہ اس کو ختم کرنے کی شدید آرزو اور خواہش رکھتے تھے اور ان دونوں باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تقلیدی اور فقہی جمود کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔

③ شاہ ولی اللہ ان خود ساختہ فقہی اصولوں کے بھی خلاف ہیں جن کی بنا پر غالی مقلدین نے بہت سی احادیث صحیحہ مسترد کر دی ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

ہر حال مذہبی برائے مذہب خود اصول درست کرد و حنفیاں برائے احکام مذہب خود اصلے چند تراشیدہ اند مثل الخاص مبین فلا یلحقہ البیان' العام قطعی کالخاص' المفهوم المخالف غیر معتبر' الترجیح بکثرۃ الرواۃ غیر معتبر' الزیادۃ

علی الکتاب نسخ' الیٰ غیر ذلک

"ہر مذہب والے نے اپنے مذہب کے (اثبات کے) لئے اصول بنا لئے' احناف نے اپنے مذہب کی پختگی کے لئے کچھ اصول تراش لئے ہیں (جن کی روشنی میں وہ ہر چیز کو دیکھتے ہیں) مثلاً خاص مبین ہے اسے بیان کی ضرورت نہیں۔ عام بھی خاص کی طرح قطعی الدلالت ہے۔ مفہوم مخالف معتبر نہیں۔ کثرت رواۃ کی وجہ سے ترجیح غیر معتبر ہے۔ کتاب اللہ پر زیادتی' کتاب کا نسخ ہے وغیرہ وغیرہ۔"

ان خود ساختہ اصولوں کی بنیاد پر بہت سے لوگوں نے کتنی ہی احادیث صحیحہ وقویہ کو رد کر دیا ہے' جس کی تفصیل بڑی لمبی اور دل خراش ہے' شاہ صاحب نے "حجۃ اللہ البالغۃ" (ج: ۱' ص: ۱۶۰ میں) اور "الانصاف" میں بھی ان وضع کردہ اصولوں اور ان کی بنا پر احادیث کو رد کرنے کا ذکر کیا ہے۔

ہم نے یہاں شاہ صاحب کا یہ اقتباس صرف اس پہلو کی وضاحت کے لئے پیش کیا ہے کہ وہ ایسے تقلیدی جمود کے سخت خلاف ہیں جس کی دعوت مقلدین دیتے ہیں۔

④ شاہ صاحب کی فقہی وسعت ان کے اُس طرز عمل سے بھی واضح ہوتی ہے جو انہوں نے "اجتہاد" کے سلسلے میں اختیار فرمایا ہے۔ شاہ صاحب نے مختلف مقامات پر اجتہاد و استنباط مسائل کے دو طریقے بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

باید دانست کہ سلف استنباط مسائل وفتاوی بردو وجہ بودند یکے آنکہ قرآن و حدیث و آثار صحابہ جمع می کردند و ازاں جا استنباط می نمودند ایں اصل

محدثین است و دیگر آنکہ قواعد کلیہ کہ جمع از ائمہ تنقیح و تہذیب آں کردہ اند یاد گیرند بے ملاحظہ ماخذ آنہا پس ہر مسئلہ کہ واردمی شدجواب آں ازہماں قواعد طلب می کردند ایں طریقہ اصل راہ فقہاء است و غالب بربعض سلف طریقۂ اولیٰ بود و بربعض آخر طریقۂ ثانیہ"

"سلف میں استنباط مسائل (اجتہاد) کے دو طریق تھے۔ پہلا یہ کہ قرآن و حدیث اور آثار صحابہ جمع کیے گئے اور ان کی روشنی میں آمدہ مسائل پر غور کیا گیا' یہ محدثین (اھل الحدیث) کا طریقہ تھا۔ دوسرا طریقہ یہ کہ (قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کی بجائے) ائمہ کے مُنَقَّحْ اور مُھَذَّبْ کردہ قواعد کلیہ کی روشنی میں،پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کیا گیا اور اصل مآخذ (قرآن و حدیث) کی طرف توجہ کی ضرورت ہی نہ سمجھی گئی' یہ فقہاء کا طریقہ ہے۔ سلف میں سے ایک گروہ پہلے طریق کا پابند ہے اور ایک گروہ دوسرے طریق کا۔"

اور "عقدالجید" میں شاہ صاحب نے اہل حدیث (محدثین) کے بھی دو گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک محققین فقہائے اہل حدیث اور دوسرے ظاہری اہل حدیث اور اہل ظواہر کو محققین اہل حدیث سے الگ قرار دیا ہے اور ظاہریوں کی علامت یہ بتلائی ہے کہ وہ قیاس و اجماع کے قائل نہیں۔ چنانچہ شاہ صاحب محققین فقہائے اہل حدیث کے طرز اجتہاد و استنباط مسائل کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں:

فَهٰذَا طَرِيْقَةُ الْمُحَقِّقِيْنَ مِنْ فُقَهَآءِ الْمُحَدِّثِيْنَ وَقَلِيْلٌ مَّاهُمْ وَهُمْ غَيْرُ الظَّاهِرِيْنَ مِنْ اَهْلِ الْحَدِيْثِ الَّذِيْنَ لاَ

يَقُوْلُوْنَ بِالْقِيَاسِ وَالاِجْمَاعِ(عقد الجيد مع ترجمة سلك مرواريد، ص: ٤٤ طبع مجتبائي، دهلي)

"محققین فقہائے اہل حدیث محدثین کا یہ طریقہ تھا اور ایسے لوگ کم ہیں اور یہ لوگ علیحدہ ہیں ظاہری اہل حدیث سے جو نہ قیاس کے قائل ہیں نہ اجماع کے۔"

اور حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ صاحب نے انہیں محققین فقہائے اہل حدیث کے ان قواعد کا تذکرہ فرمایا جو ان کے نزدیک تطبیق بین النصوص' استنباط مسائل' اجتہاد و رائے کے لئے معیار اور بنیادی اصول ہیں۔ جن کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے:

"جب قرآن مجید میں کوئی حکم صراحتاً موجود ہو تو اہل حدیث کے نزدیک کسی دوسری چیز کی طرف توجہ کی ضرورت نہیں۔"

اگر قرآن مجید میں تاویل کی گنجائش ہو اور مختلف مطالب کا احتمال ہو تو حدیث کا فیصلہ ناطق ہوگا۔ قرآن کا وہی مفہوم درست ہو گا جس کی تائید سنت سے ہوتی ہو۔ اگر قرآن مجید کسی حکم کے متعلق خاموش ہو تو عمل حدیث پر ہو گا۔ وہ حدیث چاہے فقہاء کے درمیان مشہور و معروف ہو یا کسی شہر کے ساتھ مخصوص ہو یا کسی خاندان یا کسی خاص طریقے سے مروی ہو اور چاہے اس پر کسی نے عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ وہ حدیث (بشرط صحت) قابل استناد ہوگی۔

جب کسی مسئلے میں حدیث مل جائے تو کسی امام اور مجتہد کی پروا نہ کی جائے گی نہ کوئی اثر قابل قبول ہو گا۔

جب پوری کوشش کے باوجود کسی مسئلے میں حدیث نہ ملے تو صحابہ و تابعین

کے فتووں پر عمل کیا جائے گا اور اس میں کسی قوم اور شہر کی قید یا تخصیص نہیں ہوگی۔ اگر خلفاء اور جمہور فقہاء متفق ہو جائیں تو اسے کافی سمجھا جائے گا۔

اگر فقہاء میں اختلاف ہو تو زیادہ متقی و عالم اور زیادہ حفظ و ضبط رکھنے والے شخص کی حدیث قبول کی جائے گی یا پھر جو روایت زیادہ مشہور ہوگی اسے لیا جائے گا۔ اگر علم و فضل' ورع و تقویٰ اور حفظ و ضبط میں سب برابر ہوں تو اس مسئلے میں متعدد اقوال متصور ہوں گے جن میں سے ہر ایک پر عمل جائز ہو گا۔

اگر اس میں بھی اطمینان بخش کامیابی نہ ہو تو قرآن و سنت کے عمومات' اقتضاء اور ایماءات (اشارات) پر غور کیا جائے گا۔ اصول فقہ کے مروجہ قواعد پر اعتماد نہیں کیا جائے گا بلکہ طمانیت قلب اور ضمیر کے سکون پر اعتماد کیا جائے گا جس طرح متواتر روایات میں اصل چیز راویوں کی کثرت اور ان کی حالت نہیں بلکہ اصل شے دل کا اطمینان اور سکون ہے۔ یہ اصول پہلے بزرگوں (صحابہؓ و تابعین) کے طریق کار اور ان کی تصریحات سے ماخوذ ہیں۔"

اس کے بعد شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اُن آثار کا ذکر کیا ہے جن میں ان اصولوں کی طرف رہنمائی کی گئی ہے جن میں اولیت قرآن' حدیث اور آثار صحابہؓ کو دی گئی ہے۔

ہمارے خیال میں اجتہاد کا یہ طریقہ جسے شاہ صاحب نے تفہیمات میں بین بین اور عقدالجید میں محققین فقہائے اہل حدیث کا طرز بتلایا ہے جس میں ظاہریوں کی طرح قیاس صحیح اور باقاعدہ اجتہاد کا انکار ہے نہ اہل علم فقہاء کی صحیح فکری کاوشوں سے اعراض اور نہ جامد مقلدین کی طرح نصوص قرآن و حدیث سے بے اعتنائی اور ان میں توجیہات بعیدہ اور تاویلات رکیکہ کی ترغیب ہے۔

یہی طریقۂ اجتہاد صحیح ہے اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ شاہ صاحب نے اپنی وصیت میں انہی فقہائے محدثین کی پیروی کی تاکید کی ہے جو حدیث وفقہ کے جامع ہوں اور ہمیشہ فقہی تخریجات کو کتاب و سنت پر پیش کرنے کو ضروری سمجھتے ہوں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے معتدل مسلک اور فقہی وسعت ظرفی کی تفصیل پیش کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ پاکستان میں بھی اس وقت اسی فقہی وسعت کی ضرورت ہے' اس کے بغیر یہاں نفاذ اسلام کی منزل قریب نہیں آسکتی۔

بعض لوگ شاید اس نقطۂ نظر کو تلفیق قرار دے کر اسے مسترد کر دیں۔ لیکن یہ رویہ صحیح نہیں۔ تلفیق کا مطلب ہے کہ ایک مذہب کا حامل شخص دوسرے مذاہب کی باتیں اختیار کر لے۔ یہ تلفیق مطلقاً مذموم نہیں۔ صرف اس وقت مذموم ہے جب مقصد صرف سہولتوں کی تلاش ہو۔ ہر مذہب سے اپنی خواہش نفس کے مطابق چیزیں لے لینا' یہ یقیناً قابل مذمت ہے۔ لیکن اگر مقصد یہ ہو کہ اس طرح نصوص شریعت کی بالادستی قائم ہو اور عوام کو زیادہ آسانی فراہم کی جائے' تو یہ عین مطلوب ہے' اسے کوئی بھی وہ تلفیق قرار نہ دے گا جو مذموم ہے۔ خود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کے جواز کے قائل ہیں۔ چنانچہ ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں:

وَحَكَى الْحَناطِيُّ وَغَيْرُهُ عَنْ أَبِيْ إِسْحَاقَ فِيْمَا إِذَا اخْتَارَ مِنْ كُلِّ مَذْهَبٍ مَا هُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ أَنَّهُ يَفْسِقُ بِهِ، وَعَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ أَنَّهُ لاَ يَفْسِقُ بِهِ(علی بن سلطان محمد القاري، مرقاة المفاتيح ٧/ ٣٣ مكتبة امدادية)

"حناطی وغیرہ نے ابو اسحاق کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو شخص ہر مذہب

سے آسانیاں اور رخصتیں ہی پسند کرے گا' تو اس طرح وہ فاسق ہو جائے گا اور امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اس سے وہ فاسق نہیں ہو گا۔"

صرف رخصتیں تلاش کرنا بھی امام صاحب کے نزدیک فسق نہیں' تو نصوص شریعت کی بالادستی اور عوام کی سہولتوں کے نقطہء نظر سے مختلف مذاہب کی باتیں اختیار کرنا کیسے غلط ہو گا؟ چنانچہ ہر دور میں علماء نے ایسا کیا ہے' خود پاک و ہند کے حنفی علماء نے زوجہء مفقود الخبر کے بارے میں فقہ حنفی کی بجائے مالکی فقہ کا مسلک اپنا کر اسے چار سال کے انتظار کے بعد چار مہینے دس دن کی عدت گزار کر نکاح کرنے کی اجازت دی ہے۔

اور فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اس طرح کرنے سے کوئی شخص تقلید امام کے دائرے سے نہیں نکلتا۔ جیسا کہ پاک و ہند کے احناف' مالکی مسلک کے اپنانے کی وجہ سے حنفیت سے خارج نہیں ہوئے۔

اس تفصیل سے مقصود صرف یہ ہے کہ عصر حاضر میں فقہی جمود کی نہیں بلکہ فقہی توسع کی ضرورت ہے۔ علاوہ ازیں فقہاء کی فقہی کاوشوں کی حیثیت فتووں کی ہے جو تغیر حالات کے ساتھ بدلتے رہے ہیں اور بدل سکتے ہیں' ان کی حیثیت ناقابل تغیر نصوص کی نہیں ہے۔ یہ حیثیت صرف اور صرف قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کو حاصل ہے' کیونکہ اسلام اللہ کا نازل کردہ دین ہے جس کو مستقبل کے بھی تمام حالات کا علم ہے' اس نے جب اسلام کو قیامت تک کے لئے واحد دین اور نجات و سعادت کا باعث قرار دیا ہے' تو یقیناً اس میں بغیر کسی تبدیلی کے ہر دور کے حالات و ضروریات کے تقاضوں کی تکمیل کا سامان موجود ہے۔ صرف اس کے انطباق کے لئے اجتہاد اور اخلاص کی ضرورت ہے۔ جب

بھی اور جہاں بھی' یہ دونوں چیزیں مہیا ہو جائیں گی' نفاذ اسلام کا مسئلہ نہایت آسانی سے حل ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

﴿ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٦٩﴾ ﴾ (العنکبوت۲۹/ ۶۹)

"وہ لوگ جو ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں' ہم ان کے لئے اپنے راستے کھول دیتے ہیں اور یقیناً اللہ محسنین کے ساتھ ہے۔"
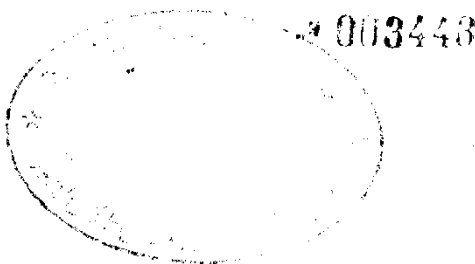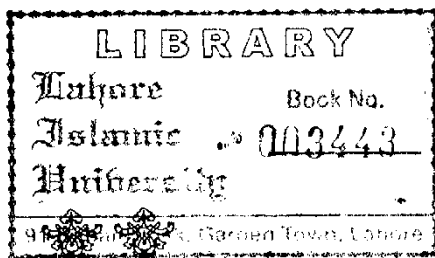
دار السلام

عالم اسلام کا ایک عظیم دینی علمی تحقیقی طباعتی
اور اشاعتی ادارہ ہے جو انسانی زندگی اور اسلامی معاشرہ کے ہر موضوع
پر کتاب و سنت کی روشنی میں معیاری اور بلند پایہ کتابیں شائع کر رہا
ہے۔ مختلف زبانوں میں متعدد موضوعات پر سینکڑوں کتابوں کی
اشاعت اس کا عالمی کارنامہ ہے۔ اس کا طباعتی معیار بین الاقوامی
ہے۔ ان کتب کے مطالعہ سے ہزاروں افراد کو قبولِ اسلام کی سعادت
میسر آئی ہے اور لاکھوں افراد اپنی تعمیرِ سیرت کا سامان فراہم
کر رہے ہیں

دلوں کو نورِ ایمان اور دماغوں کو سکون بخشنے والا یہ لٹریچر

خود پڑھیے دوسروں کو پڑھائیے

اور دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں کے فروغ کے لیے استعمال میں لائیے

دار السلام کا نام اسلام کا پیغام